E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A. Urdu

Paper : 07 – Ghair Afsanvi Adab

Module Name/Title : Ghalib Ki Maktoob Nigari

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE, MANUU / Dr. Mosarrat Jahan
PRESENTATION	Dr. Mosarrat Jahan
PRODUCER	Md. Mujahid Ali

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی 17 : خطوط غالب۔ایک جائزہ

ساخت

17.1 تمہید

17.2 حیات غالب

17.3 غالب سے پہلے اردو نثر

17.4 اُردو نثر کی تاریخ میں خطوط غالب کی اہمیت

17.5 غالب کے تین خط

17.5.1 بنام منشی ہرگوپال صاحب المخاطب بہ میرزا تفتہ

17.5.2 بنام میر مہدی حسین صاحب مجروح

17.5.3 بنام مرزا حاتم علی صاحب مہر

17.6 خطوط غالب کی انفرادیت

17.6.1 خطوط غالب: آپ بیتی

17.6.2 خطوط غالب: عصری تاریخ

17.6.3 خطوط غالب میں ناول کے عناصر

17.7 خلاصہ

17.8 نمونہ امتحانی سوالات

17.9 فرہنگ

17.10 سفارش کردہ کتابیں

17.1 تمہید

غالب کی شاعری اور نثر نگاری دونوں ہی ان کے عہد آفریں کارنامے ہیں۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی نے غالب کی ''شاعری اور انشا پردازی'' کو ''دارالخلافہ کے آخری دور کا ایک مہتم بالشان واقعہ'' قرار دیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ صرف دارالخلافہ کا نہیں بلکہ اُردو شعر و ادب کی صدہا سال کی تاریخ کا مہتم بالشان واقعہ ہے۔ یہاں ہم صرف غالب کے خطوط اور ان کی انشا پردازی کا مطالعہ کریں گے۔

غالب کے خطوط اُردو نثر کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے کہ ان خطوط سے جدید اُردو نثر کا آغاز ہوتا ہے۔ غالب نے اپنے خطوط کے ذریعے اردو نثر میں بڑی لچک اور وسعت پیدا کی اور بے تکلفانہ ہر قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے خطوط نگاری کے قدیم انداز کو ترک کیا اور اردو نثر کو قافیے اور سجع کی جکڑ بندیوں سے آزاد کر کے، سادہ سلیس اور راست انداز میں مدعا بیان کرنے کی طرح ڈالی۔ تحریر کو تقریر کے قریب کر دیا اور یوں ''مراسلے کو مکالمہ'' بنا دیا۔ غالب کے خطوط اس لیے بھی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان میں غالب کی خود نوشت سوانح ملتی ہے اور غالب کی پوری شخصیت اپنے پورے بانکپن کے ساتھ اس میں موجود ہے۔ غالب نے اپنے خطوط میں عصری زندگی کی ایسی عکاسی کی ہے کہ وہ اپنے دور کی تاریخ بھی بن

گئے ہیں۔ان تمام باتوں کے علاوہ ایک اور بات ان کو قابل قدر بناتی ہے۔وہ ہے ان خطوط کی شوخیِ تحریر، جس کی وجہ سے یہ خطوط ہمیشہ دلچسپی کے ساتھ پڑھے جائیں گے اور قابل قدر رہیں گے۔

17.2 حیاتِ غالب

مرزا اسد اللہ خاں نام' اسدؔ اور غالبؔ تخلص، مرزا نوشہ عرف، نجم الدولہ دبیر الملک، نظام جنگ، شاہی دربار سے خطاب۔ 8 رجب 1212ھ (دسمبر 1797ء) کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔غالب کے دادا' شاہ عالم بادشاہ دہلی کے عہد میں سمرقند سے ہندوستان آئے۔غالبؔ کے آباواجداد ایک ترک تھے جس کا ذکر جگہ جگہ غالب نے بڑے فخر کے ساتھ کیا ہے۔غالب کی عمر ابھی پانچ برس کی تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔چچا نصر اللہ بیگ خاں نے پرورش کی۔ غالب آٹھ سال کے ہوئے تھے کہ چچا کا بھی انتقال ہوگیا۔ننھیال میں ان کی پرورش ہونے لگی۔تیرہ سال کی عمر میں ان کی شادی نواب الٰہی بخش خاں معروفؔ کی صاحبزادی سے ہوگئی۔الٰہی بخش دہلی میں رہتے تھے، یوں غالب کی دلّی میں آمدورفت ہونے لگی۔سولہ سترہ سال کی عمر سے دلی میں مستقل سکونت اختیار کی پھر دلی ہی میں رہے اور یوں دہلوی کہلائے۔

غالب نے ابتدائی تعلیم شیخ معظم سے حاصل کی۔ایک اور استاد عبدالصمد کا ذکر بھی غالب نے کیا ہے۔عبدالصمد پہلے پارسی تھے بعد میں مسلمان ہوگئے۔غالب کا بیان ہے کہ فارسی زبان پر انھیں غیر معمولی قدرت حاصل ہوئی' اس میں عبدالصمد کا بھی ہاتھ ہے لیکن غالب نے عبدالصمد کے بارے میں بڑی ہی متضاد باتیں کہی ہیں۔ایک خط میں وہ لکھتے ہیں کہ دو برس تک انہوں نے آگرے میں عبدالصمد سے فارسی کی تعلیم حاصل کی جوان کے مکان میں قیام پذیر تھے۔دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''عبدالصمد ایک فرضی نام ہے' جوانہوں نے ''گھڑ لیا'' ہے تاکہ لوگ ان کو ''بے استاد'' نہ کہیں۔ورنہ ان کو ''مبداءِ فیاض'' کے سوا کسی سے تلمذ نہیں۔حالی نے ان دونوں باتوں میں مطابقت یوں پیدا کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

> ''مرزا کی عمر چودہ برس کی تھی جب عبدالصمد ان کے مکان پر وارد ہوا اور کل دو برس اس نے وہاں قیام کیا۔پس خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا کو کس عمر میں اس کی صحبت میسر آئی اور کس قدر قلیل مدت اس کی صحبت میں گزری تو عبدالصمد اور اس کی تعلیم کا عدم و وجود برابر ہوجاتا ہے۔اس لیے مرزا کا یہ کہنا کچھ غلط نہیں ہے کہ مجھ کو مبداءِ فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے۔'' (یادگار غالب ص 14)

غالب فارسی زبان میں بڑا کمال رکھتے تھے۔گو اس زمانے میں فارسی کے بڑے بڑے ادیب اور عالم ہندوستان میں موجود تھے لیکن وہ خسرو کے سوا کسی کو بھی مسلم الثبوت نہیں سمجھتے تھے۔فیضی جو فارسی زبان کا متفقہ طور پر زباں داں اور عالم تھا اس کی فارسی کے بارے میں کہتے تھے ''کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے۔'' فیضی فارسی دانی کے سلسلے میں ان کے بڑے بڑے علمی اور ادبی معرکے ہوئے۔پنشن کی رقم بڑھانے کے لیے انہوں نے کلکتے کا سفر کیا۔کلکتے کے دوران قیام میں مرزا کے فارسی کلام پر بعض افراد نے اعتراض کیا اور سند میں قتیل کا قول نقل کیا۔قتیل نومسلم تھا۔اس لیے جواب میں کہتے تھے ''دیوالی سنگھ فرید آباد کے کھتری کے قول کو نہیں مانتا'' انہوں نے اپنی تائید میں فارسی کے اہل زبان کے اقوال پیش کیے۔جس پر اور اعتراضات ہونے لگے۔کلکتے میں غالب کے ماننے والے بھی بہت تھے۔انہوں نے بھی جواب دیا، یوں جواب در جواب کا سلسلہ قائم ہوا۔کلکتے کے دوران قیام ایک مثنوی ''بادمخالف'' کے نام سے لکھی جس میں حالی کے کہنے کے مطابق اپنی غریب الوطنی کا ذکر' اہل کلکتہ کی نامہربانی کی شکایت اور ان کے اعتراضات اور اپنے جواب نہایت عمدگی' صفائی اور دردانگیز طریقے سے بیان کیے ہیں۔

کلکتہ جاتے ہوئے غالب کا لکھنؤ میں بھی قیام رہا۔وہ والئی اودھ نصیر الدین حیدر سے بھی ملنا چاہتے تھے اس کے لیے انہیں پہلے نائب السلطنت روشن الدولہ سے ملنا ضروری تھا۔غالب نے ان سے ملنے کے لیے دو شرطیں رکھیں کہ روشن الدولہ انہیں تعظیم دیں اور وہ کوئی نذر پیش نہیں کریں گے۔روشن الدولہ نے یہ شرطیں نہیں مانیں۔کلکتے سے واپسی میں انہوں نے کسی اور ذریعے سے نصیر الدین حیدر کو قصیدہ بھیجا۔انہوں نے پانچ ہزار روپے دینے کا حکم دیا۔روشن الدولہ نے تین ہزار روپے خود ہڑپ لیے اور دو ہزار میں سے کہا جتنے چاہو اس میں سے غالب کو دے دینا۔بہرحال اس بات سے غالب کی

خودداری ظاہر ہوتی ہے۔ایک اور واقعے سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے کہ غالب حد درجہ خوددار تھے۔دلّی کالج میں فارسی کے استاد کی جگہ خالی تھی۔غالب کو جب اس عہدے پر تقرر کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے قبول کر لی۔کالج کے باب الداخلہ پر پہنچ کر اپنے آنے کی اطلاع پرنسپل کو کی۔جب انگریز پرنسپل ان کی پیشوائی کے لیے نہیں آیا تو کچھ دیر انتظار کر کے لوٹ گئے۔دوبارہ کسی جگہ پر نسپل سے ملاقات ہوئی تو اس نے دریافت کیا کہ انہوں نے کالج کی ملازمت کیوں قبول نہیں کی۔غالب نے جواب دیا کہ حسب معمول میرے مطلع کرنے کے بعد بھی جب آپ نہیں آئے تو میں لوٹ گیا۔پرنسپل نے کہا کہ چونکہ آپ کالج کے استاد کی حیثیت سے آئے تھے اس لیے میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں آپ کے استقبال کے لیے آتا۔غالب نے جواب دیا کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ کالج کی استادی سے ہماری حیثیت میں اضافہ ہوگا لیکن اس کی بجائے رہی سہی حیثیت بھی جاتی رہے تو اس کو ہمارا سلام۔

کلکتے میں علمی اور ادبی معرکہ آرائی کے بعد ایک اور یادگار علمی معرکہ ہوا۔غدر 1857ء کے زمانے میں دہلی میں جو ہنگامہ برپا ہوا اس کی وجہ سے غالب گھر پر ہی رہا کرتے تھے کہیں آنا جانا' حد یہ کہ خطوط بھی بند تھے۔غالب کو مطالعہ کا شوق تھا لیکن وہ صرف کرائے کی کتابیں لے کر ہی پڑھا کرتے تھے۔اس لیے ان کے گھر میں کتابیں بھی نہیں تھیں۔اتفاق سے اس زمانے میں گھر میں ایک فارسی لغت ''برہان قاطع'' مل گئی۔یہ لغت مولوی محمد حسین برہانی تبریزی کی لکھی ہوئی تھی۔اور فارسی کی بہت ہی مستند لغت سمجھی جاتی تھی۔وقت گزاری کے لیے غالب اسے دیکھنے لگے تو انہیں اس میں بہت سی غلطیاں نظر آئیں۔غالب ہندوستان کے بڑے سے بڑے فارسی دان کو بھی مانتے نہ تھے۔مولف ''برہان قاطع'' کو کب خاطر میں لانے والے تھے۔انہوں نے ''برہان قاطع'' کی ایک ایک غلطی کے بارے میں لکھنا شروع کیا اور یوں ''برہان قاطع'' کی رد میں ایک کتاب بن گئی جس کا عنوان ''قاطع برہان'' رکھا۔''برہان قاطع'' کے معنی ہیں قطعی دلیل یا ثبوت اور ''قاطع برہان'' کے معنی ہیں دلیل یا ثبوت کو قطع کرنے والا۔اس کتاب کی اشاعت پر بھی ایک ادبی اور علمی ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔غالب پر بہت سے اعتراضات ہوئے خود غالب نے اور ان کے ماننے والوں نے ان اعتراضات کا جواب دیا۔ان جوابات پر پھر اعتراضات ہوئے اور یوں کافی مدت تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔لیکن مرزا ایسی باتوں کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔کیونکہ ان کے لیے دنیا اور اس کے کاروبار ایک کھیل تماشے سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے جیسا کہ خود انہوں نے لکھا ہے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے　　ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

یہی وجہ ہے کہ ان کے حسِ مزاح (Sense of humour) میں کبھی فرق نہیں آیا۔حالانکہ اپنے حوصلے کے لحاظ سے تنگ دست رہے۔غدر سے پہلے اور اس کے بعد کے حالات بے حد خراب اور حد درجہ تکلیف دہ تھے۔لیکن مرزا کے حسِ مزاح میں کبھی اور کہیں بھی فرق نہیں آیا تھا۔حالی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ اگر ان کی نظم و نثر کے کمالات سے صرف نظر کر لی بھی جائے تب بھی مرزا کی زندگی صرف اپنی زندہ دلی اور شگفتگی کی وجہ سے ملک و قوم کے لیے اہمیت رکھے گی۔حالی لکھتے ہیں:

> ''اگر چہ مرزا کی لائف' جیسا کہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کریں گے' ان فائدوں سے خالی نہیں ہے جو ایک بایوگرافی سے حاصل ہونے چاہیں' لیکن اگر ان فائدوں سے قطع نظر کی جائے تو بھی ایک ایسی زندگی کا بیان جس میں ایک خاص قسم کی زندہ دلی اور شگفتگی کے سوا کچھ نہ ہو ہماری پژمردہ اور دل مردہ سوسائٹی کے لیے کچھ کم ضروری نہیں ہے۔
>
> (یادگار غالب۔ص 8)

مولانا حالی نے ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت کے کئی واقعات لکھے ہیں۔وہ باتوں باتوں میں اپنی تحریر و تقریر میں جو لطف اور مزاح پیدا کر دیتے تھے' وہ ان کی ہر بات اور ہر تحریر کو یادگار بنا دیتی ہے۔یہاں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ بذلہ سنجی اور ظرافت کے نمونے پیش کیے جائیں۔

غالب کو تنگ دستی کے باوجود زندگی میں بہت سے اعزازات ملے۔وہ ذوق کے انتقال کے بعد ''استاد شاہ'' بنے.....یعنی بہادر شاہ ظفر اپنا کلام ان کو دکھایا کرتے تھے۔بہادر شاہ ظفر نے خاندان تیمور کی تاریخ لکھنے پر انہیں مامور کیا۔غالب نے اس کا نام ''پرتوستاں'' رکھا۔اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔پہلے حصے کا نام ''مہر نیم روز'' رکھا اور دوسرے حصے کا عنوان ''ماہِ نیم ماہ'' رکھا۔ان کو اس خدمت کے معاوضے میں پچاس روپے ماہانہ ملا کرتے تھے۔

لیکن وہ اس تاریخ کا پہلا ہی حصہ لکھ پائے تھے کہ غدر ہو گیا اور یہ کام ادھورا رہ گیا۔

مرزا کی صحت آخری زمانے میں بہت خراب رہنے لگی تھی۔ انتقال سے کئی برس پہلے چلنا پھرنا بالکل موقوف ہو گیا تھا۔ کھسکتے ہوئے جا کر حوائج ضروری کو پورا کرتے تھے لیکن اس حالت میں بھی خطوط کے جواب برابر دیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان پر اکثر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔ ایسی حالت میں بھی جب خط لکھنا ممکن نہیں رہا تو دوسروں سے خط لکھواتے تھے۔ حالی لکھتے ہیں کہ انتقال سے ایک دن پہلے جب وہ عیادت کے لیے گئے تو علاء الدین احمد خاں کے خط کا جواب لکھوا رہے تھے۔ جس میں ایک فقرہ یہ تھا ''میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو ایک آدھ روز میں ہم سایوں سے پوچھنا'' بالکل ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی تاریخ وفات 15 فروری 1869ء ہے۔ جب غالب مسلسل علیل رہنے لگے تھے تو انہوں نے خود اپنی تاریخ وفات یوں نکالی ''آہ غالب مُرد'' لیکن وہ دو سال جیے اور ان کی تاریخ وفات یوں نکالی گئی ''آہ غالب بمُرد'' (1885ء)

غالب کی تصانیف میں ''دیوان غالب'' شامل ہے۔ غالب نے اس میں صرف اپنا منتخب کلام شائع کیا۔ ان کا پورا کلام ''نسخۂ حمیدیہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ غالب کی زندگی ہی میں ان کے خطوط کا پہلا مجموعہ ''عود ہندی'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ ان کے انتقال سے صرف چار مہینے پہلے شائع ہوا۔ غالب خطوط کا دوسرا مجموعہ ''اُردوئے معلیٰ'' کے نام سے شائع کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ ان کی زندگی میں شائع نہیں ہوا بلکہ ان کے انتقال کے 19 دن بعد شائع ہوا۔ بعد میں مختلف حضرات نے بڑی تحقیق کے ساتھ ان کے خطوط کے مجموعے شائع کیے۔ لیکن ان کے خطوط کا مکمل مجموعہ ڈاکٹر خلیق انجم نے چار جلدوں میں ''غالب کے خطوط'' کے نام سے شائع کیا۔ ''قاطع برہان'' کے مخالفوں کے جواب میں غالب نے ''لطائف غیبی'' ''تیغ تیز'' اور ''نامۂ غالب'' کے عنوان سے کتابیں شائع کیں۔ ان کی فارسی تصانیف حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) دیوان غالب (فارسی) (۲) دستنبو (۳) پنج آہنگ (۴) سبد چیں (۵) مہر نیم روز

غالب کا فارسی دیوان بہت ضخیم اور دس ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. غالب کے آباواجداد کون تھے؟
2. غالب کے استاد کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
3. غالب کی فارسی تصانیف کے نام لکھیے۔

17.3 غالب سے پہلے اُردو نثر

غالب سے پہلے اگر فورٹ ولیم کی نثری کتابوں سے قطع نظر کی جائے تو بہت کم اُردو کی کتابیں ملتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علمی اور ادبی کاموں کے لیے فارسی زبان ہی استعمال کی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کے بڑے بڑے شاعروں نے اپنے علمی اور ادبی کاموں کے لیے فارسی ہی کو ذریعہ اظہار بنایا۔ میر، مصحفی، قائم چاند پوری، میر حسن نے اُردو شعرا کے جب تذکرے لکھے تو فارسی ہی میں لکھے۔ میر نے اپنی آپ بیتی ''ذکر میر'' فارسی ہی میں لکھی۔ غالب نے غدر کے حالات ''دستنبو'' نامی کتاب میں لکھے ہیں جو فارسی ہی میں ہیں۔ خود غالب بھی پہلے فارسی ہی میں خط لکھا کرتے تھے۔ ان اسباب کی وجہ سے اُردو نثر کی کتابوں کا ذخیرہ محدود تھا۔ اُردو نثر میں غالب سے پہلے جو ادبی اور علمی کتابیں ملتی ہیں، ان میں دو طرح کے اسلوب ملتے ہیں۔ سادہ اور سلیس اسلوب، دوسرے رنگین اور مقفیٰ اسلوب۔ فورٹ ولیم کالج کی نثری کتابیں مستثنیات میں سے ہے۔ اس لیے کہ وہاں صرف زبان سکھانا مقصود تھا۔ وہاں کتابیں صرف اسی غرض کو پورا کرنے کے لیے لکھائی جاتی تھیں۔ جس طرح مذہبی کتابوں میں زبان سادہ اور سلیس استعمال کی جاتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد تک بات پہنچے اور باتیں آسانی کے ساتھ ہر ایک کی سمجھ میں آجائیں۔ اس زمانے کا ادبی رجحان مقفیٰ اور مسجع نثر کی طرف تھا بلکہ ایسی ہی نثر کو بامحاورہ اور معیاری سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رجب علی بیگ سرور کو میر امّن کی ''باغ و بہار'' پسند نہیں آئی۔ میر امّن نے اپنی کتاب ''باغ و بہار'' میں صرف اتنا کہا تھا

کہ جب تک کوئی دہلی کا ''روڑا'' ہو کر نہ رہے وہ ایسی زبان نہیں لکھ سکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

''جو شخص دلی کا روڑا ہو کر رہا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گزریں اور اس نے دربار امرا کے دیکھے اور میلے ٹھیلے عرش، چھڑیاں، سیر و تماشا اور کوچہ گردی اس نہر کی کی ہوگی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا اس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔''

میر امن نے ''باغ و بہار'' کے مذکورہ بالا دیباچے میں صرف اپنے متعلق یہ کہا تھا کہ مجھے دہلی میں روڑا ہو کر رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ وہاں کے محلوں سے لے بازاروں کی زبان کو سننے کا موقع ملا ہے۔ ایسا شخص اگر زبان دانی کا دعویٰ کرے تو وہ حق بجانب ہوگا۔ اس عبارت میں انہوں نے کسی پر بھی چوٹ نہیں کی ہے۔ کیونکہ اس زمانے تک لکھنؤ کا کوئی انشا پرداز سامنے بھی نہیں آیا تھا۔ لیکن رجب علی بیگ سرور نے میر امن کا نام لے کر یہ کہا کہ ان کی زبان با محاورہ نہیں ہے۔ وہ فسانۂ عجائب کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

''میر امن صاحب نے چار درویش کے قصے میں بکھیڑا کیا ہے کہ ہم لوگوں کے دامن وجھے میں یہ زبان آئی ہے۔ دلی کے روڑے ہیں محاوروں کے ہاتھ پاؤں توڑے ہیں۔ پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر کہ یہی خیال انسان کا خام ہوتا ہے، بشر کو دعویٰ کب سزاوار ہے۔ کاملوں کو بے ہودہ گوئی سے انکار بلکہ ننگ و عار ہے۔ مشک آن ست کے خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔''

رجب علی بیگ سرور نے مقفّٰی اور مسجّع عبارت آرائی کی ہے کیونکہ اس زمانے میں اسی کو انشا پردازی کا کمال سمجھا جاتا تھا۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''فسانۂ عجائب کے اسلوب تحریر کو اب کیسا ہی سمجھا جائے اور کسی نظر سے دیکھا جائے، لیکن یہ قدیم زمانے کا محبوب و مقبول انداز تھا اور علم انشا کا کمال گنا جاتا تھا۔'' (داستان تاریخ ادب اُردو۔ ص 193)

اسی انداز تحریر ''لفظی آرائش اور علم و قابلیت'' کی نمائش'' ہوا کرتی تھی۔ اظہار مدعا سے زیادہ توجہ اظہار زیبائش الفاظ پر ہوا کرتی تھی۔ اور اس کے لیے جس قدر علمیت اور قابلیت کی ضرورت ہوتی وہ صرف کی جاتی تھی۔ رجب علی بیگ سرور کو ''فسانۂ عجائب'' میں صرف یہ کہنا ہے کہ رات گزری، دن ہوا۔ وہ اس بات کو یوں لکھتے ہیں:

''جس وقت زاغِ شب نے بیضہ ہائے انجم آشیانہ مغرب میں چھپائے اور صیادانِ سحر خیز دام بردوش آئے اور سیمرغ زریں جناح مطلّا بال غیرتِ لال قفس مشرق سے جلوہ افروز ہوا، یعنی شب گزری روز ہوا۔''

انہوں نے ابتدا میں جو جملے لکھے تھے اس سے انہیں اندیشہ ہو رہا تھا کہ اصل مدعا کہیں اس لفاظی کی نظر نہ ہو جائے اس لیے آخری جملے میں یعنی ''شب گزری روز ہوا'' لکھ کر اپنا حقیقی مطلب صرف چار لفظوں میں بیان کر دیا۔

فسانۂ عجائب 1824ء میں لکھی گئی۔ لیکن اس سے پچاس سال پہلے نثری کتاب ملتی ہے اور جس کا شمار شمالی ہند کی اولین نثری کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب ہے میر محمد حسین عطا خاں تحسین کی نوطرز مرصع۔ اس کتاب کے مطالعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ادبی نثر کے لیے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ وہ رنگین ہو، مقفّٰی اور مسجّع ہو، ادق اور مشکل الفاظ سے مزین ہو اور اس کے ہر لفظ سے علم اور قابلیت ظاہر ہو۔ ''نوطرز مرصع'' 1775ء میں لکھی گئی۔ اس کا نمونہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

''بیچ سرزمین فردوس آئین ولایت روم کے ایک بادشاہ تھا، سلیمان قدر فریدوں فر، جہاں باں، دین پرور، رعیت نواز، عدالت گستر، بجا آرندۂ حاجاتِ بستہ کاراں، بخشندۂ مرادات امیدواراں فرخندہ سپہر نام کہ اشعۂ شوارق فضل ربانی کا اور شعشہ بوارق فیض سبحانی کا ہمیشہ او پر لوح پیشانی اس کے لمعاں و نور افشاں رہتا۔''

اس زمانے کی نثری کتابوں میں خاص طور پر جواد بی ہیں' نثر کا وہی انداز ملتا ہے' جس میں رنگینی اور لفاظی ہوتی ہے۔ یہاں مثالیں دینے کی گنجائش نہیں ہے البتہ کتابوں اور مصنفین کے صرف نام دیے جاتے ہیں۔ نیم چند کھتری نے فارسی کی کتاب ''قصہ گل باصنوبر'' کا اُردو میں 1837ء میں ترجمہ کیا۔ امام بخش صہبائی نے ایک فارسی کتاب ''حدائق البلاغت'' 1843ء میں اُردو میں منتقل کی۔ باوجود علمی کتاب ہونے کے اس میں بھی قافیہ پیمائی کو ملحوظ رکھا ہے جیسے لکھتے ہیں۔

> ''نسخۂ حدائق البلاغت علم بیان اور بدیع اور عروض میں فقیر رحمتہ اللہ علیہ کے قلم بلاغت رقم کا ثمرہ ہے اور اس کتاب کا اس فن استیعاب میں شعرہ ہے''

آغا امانت لکھنوی جن کا ناٹک ''اندرسبھا'' بے حد مشہور ہے' جب اس کا دیباچہ لکھا اس کی نثر مقفٰی لکھی۔ غلام امام شہید کی کتاب ''انشائے بہار بے خزاں' کے عنوان سے اپنے خطوط اور مضامین کا مجموعہ شائع کیا۔ یہ کتاب 1866ء میں غالب کے خطوط کے زمانے میں لکھی گئی۔ اس کی نثر نگاری کے بارے میں حامد حسین قادری لکھتے ہیں۔

> ''شہید کی تمام انشاپردازی میں یہی قافیہ پیمائی وعبارات آرائی ملتی ہے۔'' اس طرح غالب سے پہلے خود ان کے زمانے میں اور کچھ عرصہ بعد بھی نثر نگاری کی یہی روش مقبول تھی۔ غالب نے اس سے انحراف کیا اور نثر کا وہ اسلوب اختیار کیا جو عام بات چیت یا مکالمے جیسا تھا۔''

اپنی معلومات کی جانچ:

1. شمالی ہند کی اولین نثری کتاب کون سی ہے؟
2. غالب سے پہلے اردو میں نثر کا انداز کیسا تھا؟

17.4 اردو نثر کی تاریخ میں خطوطِ غالب کی اہمیت

اُردو نثر کی تاریخ میں خطوطِ غالب ایک اہم موڑ ہی نہیں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غالب سے پہلے اردو نثر قافیے اور مرصّع کاری میں جکڑی ہوئی تھی' غالب نے اسے آزاد کیا۔ غالب کے دوست، شاگرد اور وہ تمام افراد جو غالب کے خطوط کو پڑھ رہے تھے اس سے متاثر ہو کر اس انداز تحریر کو اپنا رہے تھے۔ میر مہدی مجروح بالکل غالب کے انداز میں لکھنے لگے تھے۔ غالب نے خود اس بات کو اپنے مخصوص اسلوب میں یوں بیان کیا ہے۔

> ''میر مہدی! جیتے رہو۔ آفریں صد آفریں۔ اردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے...... یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی، سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا مگر میں نے اسے بحل کیا۔ اللہ برکت دے۔''

یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں ہے کہ سرسید بھی غالب کی طرز تحریر سے متاثر ہوتے ہوں کیونکہ غالب اور سرسید کے عزیزوں جیسے مراسم تھے۔ سرسید' غالب کو چچا کہا کرتے تھے۔ انہوں نے جب ''آئین اکبری'' بڑی تحقیق کے ساتھ مرتب کی تو غالب سے اس کی تقریظ لکھوائی۔ اتنے قریبی روابط کی وجہ سے یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ غالب سے سرسید متاثر ہوئے ہوں اور جدید انداز کی نثر کی ترویج واشاعت کی تحریک میں خطوط غالب کا بھی بڑا حصہ رہا ہو۔ اس قیاس کو تقویت اس بات سے بھی حاصل ہوتی ہے کہ ''آثار الصنادید'' کا پہلا ایڈیشن 1847ء میں شائع ہوا۔ لیکن اس کی زبان میں پرانا انداز غالب ہے۔ 1854ء میں جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوتا ہے تو اس کی زبان و بیان جدید رنگ کے ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جدید نثر کا آغاز خطوط غالب سے ہوتا ہے۔

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY * MEDIA CENTRE * IMC LIBRARY * Hyderabad

17.5 غالب کے تین خط

غالب نے سینکڑوں خطوط لکھے ہیں۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے غالب کے اب تک جتنے بھی خطوط ملے ہیں ان کو جمع کر کے شائع کیا۔ خطوط کی تعداد کل نوسو ہے۔ جن کو چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔ یہاں نصاب میں شامل ''غالب کے خطوط کے مجموعے ''اردوئے معلیٰ'' سے نمونے کے طور پر صرف تین خط دیے جا رہے ہیں۔

17.5.1 بنام منشی ہرگوپال صاحب المخاطب بہ میرزا تفتہ

صاحب تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقع ہوا۔ وہ ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے۔ اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت درپیش آئے۔ شعر کہے دیوان جمع کیے۔ اسی زمانہ میں ایک بزرگ تھے کہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے اور منشی نبی بخش ان کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص۔ نہ وہ معاملات' نہ وہ اختلاط' نہ وہ انبساط۔ بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا۔ اس کا جواب مجھ کو آیا اور ایک خط تمہارا' کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہرگوپال متخلص بہ تفتہ ہو' آج آیا اور میں جس شہر میں اس کا نام دلی اور اس محلّہ کا نام بلی ماروں کا محلّہ ہے۔ لیکن ایک دوست اس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ واللہ ڈھونڈھنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر کیا غریب۔ کیا اہل حرفہ' اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔ اب پوچھو کہ تو کیونکر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا۔ صاحب بندہ میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا بلکہ دیوار بہ دیوار ہیں گھر حکیموں کے۔ اور وہ نوکر ہیں راجہ نرندر سنگھ بہادر والیِ پٹیالہ کے۔ راجہ نے صاحبان عالیشان سے عہد لے لیا تھا کہ بروقت غارتِ دہلی یہ لوگ بچ رہیں۔ چنانچہ بعد فتح راجہ کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا' ورنہ میں کہاں اور شہر کہاں۔ مبالغہ نہ جاننا' امیر غریب سب نکل گئے جو رہ گئے تھے وہ نکالے گئے۔ جاگیردار' پنشن دار' دولت مند' اہل حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمان قلعہ پر شدت ہے اور باز پرس اور داروگیر میں مبتلا ہیں۔ مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں نوکر ہوئے ہیں اور ہنگامے میں شریک ہو رہے ہیں۔ میں غریب شاعر دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کے اصلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں۔ خواہی اس کو نوکری سمجھو۔ خواہی مزدوری جانو۔ اس فتنہ و آشوب میں کسی مصلحت میں میں نے دخل نہیں دیا۔ صرف اشعار کی خدمت بجالاتا رہا اور نظر اپنی بے گناہی پر شہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات پائی نہیں گئی لہذا طلبی نہیں ہوئی۔ ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیردار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آئے ہیں میری کیا حقیقت تھی۔ غرض کہ اپنے مکان میں بیٹھا ہوں۔ دروازہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔ سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا یہ کہ کوئی میرے پاس آوے۔ شہر میں ہے کون جو آوے' گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں۔ جرنیلی بندوبست یازدہم مئی سے آج تک یعنی شنبہ پنجم دسمبر 1857ء تک بدستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال مجھ کو نہیں معلوم بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکّام کو توجہ بھی نہیں۔ دیکھیے انجام کار کیا ہوتا ہے۔ یہاں باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا۔ ابھی دیکھا چاہیے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں۔ بہر حال منشی صاحب کو میرا سلام کہنا اور یہ خط دکھا دینا۔ اس وقت تمھارا خط پہنچا اور اسی وقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کے ہرکارہ کو دیا۔

17.5.2 بنام میر مہدی حسین صاحب مجروح

جان غالب۔ تمھارا خط پہنچا۔ غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے۔ ع ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے۔

مصرع بدل دینے سے یہ شعر کس ربتہ کا ہو گیا۔ اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی۔ میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے۔ ارے اب اہل دہلی یا ہندو ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ریاست تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔ خس کی ٹٹی پورا ہوا اب کہاں۔ وہ لطف تو اسی مکان میں تھا۔ اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ چھت اور سمت بدلی ہوئی ہے۔ بہر حال میگذرد۔ مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا۔ لال ڈگی کے کنویں یک قلم کھاری ہو گئے۔ خیر کھاری ہی پانی پیتے گرم پانی نکلتا

ہے۔ پرسوں میں سوار ہو کر کنویں کا حال دریافت کرنے گیا تھا۔ مسجد جامع ہوتا ہوا راج گھاٹ دروازہ کو چلا۔ مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اُٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جائے۔ یاد کرو! میرزا گوہر کے باغیچہ کے اس جانب کوئی بانس نشیب تھا' اب وہ باغیچہ کے صحن کے برابر ہو گیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔ فصیل کے کنگرے کھلے رہے ہیں' باقی سب اٹ گیا۔ کشمیری دروازہ کا حال تم دیکھ گئے ہو' اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان ہو گیا۔ پنجابی کٹرہ' دھوبی واڑہ' رام جی گنج' سعادت خاں کا کٹرہ' جرنیل کی بی بی کی حویلی' رام جی داس گودام والے کے مکانات' صاحب رام کا باغ حویلی ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا۔ اب جو کنویں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی نہ رہی اور دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حُسن اعتقاد۔ ارے بندۂ خدا اُردو بازار نہ رہا۔ اُردو کہاں' دلی کہاں۔ واللہ اب شہر نہیں ہے کنپ ہے چھاؤنی ہے' نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔ الور کا حال کچھ اور ہے۔ مجھے اور انقلاب سے کیا کام۔ الکزنڈر مدرنی کا کوئی خط نہیں آیا۔ ظاہرا ان کی مصاحبت نہیں ورنہ ضرور مجھ کو خط لکھتا رہتا۔ میر سرفراز حسین اور میر ن صاحب اور نصیر الدین کو دعا۔

17.5.3 بنام مرزا حاتم علی صاحب مہر

مرزا صاحب۔ میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بزبان قلم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اتنا تو کہو کہ یہ کیا بات تمھارے جی میں آئی ہے۔ برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت لکھی نہ کتابوں کا بیورا بھجوایا۔ ہاں مرزا تفتہ نے ہاتھرس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق پانچوں کتابوں کی آغاز کے ان کو دے آیا ہوں اور انھوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے۔ یہ تو بہت دن ہوئے جو تم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ دو کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے۔ پھر ان کتابوں کی جلدیں بن جانے کی کیا خبر ہے اور ان پانچوں کتابوں کے تیار ہونے میں درنگ کس قدر ہے۔ مہتمم مطبع کا خط پرسوں آیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ تمہاری چالیس کتابیں بعد منہائی لینے سات جلدوں کے اسی ہفتہ میں تمھارے پاس پہنچ جائیں گی۔ اب حضرت ارشاد کریں کہ یہ سات جلدیں کب آئیں گی۔ ہر چند کاریگروں کے دیر لگانے سے تم بھی مجبور ہو مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھوں کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو۔ خدا کرے ان تینتیس جلدوں کے ساتھ یا دو تین روز کے آگے پیچھے یہ سات جلدیں آپ کی عنایتی بھی آئیں۔ تا خاص و عام کو جا بجا بھیجی جائیں۔ میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ نواب ضیا الدین خاں اور نواب حسین مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو میں نے کہا انھوں نے لکھ لیا۔ ان دونوں کے گھر لُٹ گئے۔ ہزاروں روپیہ کے کتب خانے برباد ہو گئے۔ اب میں اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہوں۔ کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر کو کہ وہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرواز بھی ہے۔ ایک غزل میری کہیں سے لکھوا لایا۔ اس نے وہ کاغذ جو مجھ کو دکھایا یقین سمجھنا کہ مجھ کو رونا آیا۔ غزل تم کو بھیجتا ہوں اور صلہ میں اس خط کے جواب چاہتا ہوں۔

غزل

درد منّت کشِ دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو — اک تماشا ہوا گِلا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے — لے کے دل دلستاں روانہ ہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما — کام گر رک گیا روا نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب — گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی — بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE • MANUU • IMC LIBRARY • Hyderabad-34

اپنی معلومات کی جانچ :

1. غدر کے ہنگاموں میں غالب دلی میں کس طرح مقیم رہ سکے؟
2. غالب کا کلام ابتدا میں کس نے لکھ کر محفوظ کرلیا تھا؟

17.6 خطوطِ غالب کی انفرادیت

خطوطِ غالب کی سب سے انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے قدیم انداز کی عبارت آرائی کو قطعی طور پر ترک کردیا۔ پہلے مقفّٰی و مسجّع عبارت لکھنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اپنی علمیت اور قابلیت کا اظہار دقیق اور ادق الفاظ استعمال کر کے کیا جاتا تھا۔ غیر ضروری طور پر تشبیہات اور استعارات کا استعمال لازمی سمجھا جاتا تھا۔ غالبؔ نے اس طرزِ تحریر سے انحراف کیا۔ اظہارِ مدعا پر زور دیا۔ انہوں نے مطلب کو راست اور سادا انداز میں بیان کرنے کی روش ڈالی۔ عبارت کو رنگین، پر تکلف بنانے میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اظہار مدعا کی جگہ عبارت آرائی مقصود بذات بن جاتی تھی۔ خود لکھنے والے کو یہ احساس ہوتا تھا کہ اصل بات اور مقصد کا اظہار نہیں ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے وہ عبارت کو رنگین بنانے کے بعد راست انداز میں بھی اپنی بات بیان کرنے پر مجبور ہوجاتا تھا۔ جیسے رجب علی بیگ بڑی ہی پر تکلف عبارت لکھنے کے بعد، جب یہ احساس ہوتا ہے کہ اصل مدعا ہی بیان ہونے سے رہ جارہا ہے تو آخر میں وضاحت کردیتے تھے۔

غالب نے اپنی تحریروں میں ایسی تمام باتوں سے اجتناب کیا۔ جس کی وجہ سے وہ ہر قسم کی بات آسانی کے ساتھ بلا تکلف بیان کردیتے تھے۔ غالب کی وجہ سے اُردو نثر اس قابل ہوئی کہ ہر جذبے، کسی بھی کیفیت اور کوئی صورت حال کو پوری طرح سے بیان کرسکے۔ بعد میں سرسید اور ان کے رفقا نے اسی جدید نثر کو معراج کمال تک پہنچادیا۔

غالب نے اپنے خطوط میں ''امر ضروری'' کے لکھنے پر زور دیا ہے اور ''زوائد'' کو ترک کرنا چاہتے ہیں۔ وہ میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں:

> ''تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں۔ یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا۔ جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصطلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دعا کہنا اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازمۂ سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہیں''۔

غالب نے نہ صرف فرسودہ انداز کی نثر نگاری کو ختم کیا بلکہ خطوط میں بھی پرانے انداز کو جس میں طول طویل القاب و آداب ہوتے تھے اسے بھی ترک کیا۔ حالیؔ کہتے ہیں کہ ''مرزا کی اردو خط و کتابت کا انداز سب سے نرالا ہے۔'' غالب نے ''القاب و آداب'' کا پرانا اور فرسودہ طریقہ ''جو حقیقت میں'' فضول اور دوراز کار تھا بالکل ختم کردیا۔ اکثر خطوط میں وہ بغیر آداب والقاب کے راست طور پر مدعا بیان کرنا شروع کردیتے تھے۔ جیسا کہ اوپر دیئے گئے خط میں بغیر کسی تمہید کے مدعا لکھنا یوں شروع کردیا ہے ''صاحب تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ دوسرے خط میں صرف مرزا صاحب لکھ کر مطلب کی باتیں لکھنا شروع کردیں۔ تیسرا خط بھی ''بھائی کیا پوچھتے ہو'' سے شروع کیا ہے۔ اسی طرح سے اکثر خطوط میں القاب یا تو نہیں لکھے ہیں یا پھر مختصر لکھے ہیں۔ لیکن جیسا کہ وہ لکھتے کہ ہر ایک کو اس کی ''حیثیت'' کے مطابق پکارتے ہیں۔ اس لیے بعض خطوط میں القاب و آداب سے بھی کام لیا ہے جیسے۔

''مخدوم و مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے بعد عرض کیا جاتا ہے''

''مخدوم و مکرم مولوی سید احمد حسین صاحب''

ڈاکٹر خلیق انجم کا کہنا ہے کہ غالب کسی کی سماجی حیثیت سے ''مرعوب'' ہوتے تھے تو ان کو ''پر تصنع اور طویل القاب'' لکھ دیا کرتے تھے۔ انہوں نے نواب میر غلام بابا خاں کو اس طرح مخاطب کیا ہے۔ ''ستودۂ بہر زبان و نامور بہر دریا''، نواب صاحب، شفیق کرم گستر، مرتضوی تبار، نواب میر غلام

بابا خاں بہادر‘‘۔لیکن ایسے القاب سینکڑوں خطوط میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

غالب کے خطوط کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ انہوں نے مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے۔ان کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ انہوں نے اپنے خطوط کو بات چیت بنادیا ہے۔جیسا کہ مندرجہ بالا دوسرے خط میں وہ لکھتے ہیں۔

’’مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے۔ہزار کوس سے بزبان قلم باتیں کیا کرؤ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرؤ‘‘۔

مراسلے کو مکالمہ بنادینا خاص غالب کی ایجاد تھی۔حالی نے بجا طور پر یہ بات کہی ہے کہ’’نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا اور نہ بعد میں کسی سے اس کی پوری پوری تقلید ہوسکی‘‘۔غالب نے بہت سے خطوط میں بالکل ایسا انداز ایجاد کیا ہے کہ دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے باتیں کررہے ہیں۔بطور نمونہ ایک خط کا اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔

’’محمد علی بیگ ادھر سے نکلا۔بھئی محمد علی بیگ لوہارو کی سواریاں روانہ ہوگئیں؟حضرت ابھی نہیں۔کیا آج نہ جائیں گی؟ آج ضرور جائیں گی تیاری ہورہی ہے۔‘‘

غالب کسی کے خط کے آنے کو خود اس کا آنا کہتے ہیں۔ایک خط میں لکھا ہے۔

’’جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔‘‘

خطوط کے لکھنے اور پڑھنے کو وہ باتیں کرنا کہتے تھے۔ایک خط میں لکھتے ہیں۔

’’اسی وقت تمہارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا‘ مجھ کو جو باتیں کرنے کا مزہ ملا تو دونوں کا جواب لکھ کر روانہ کیا‘‘

انہوں نے اپنے خطوط میں یہی لکھا ہے کہ مراسلہ اصل میں مکالمہ ہوتا ہے۔تفتہ کو لکھتے ہیں۔

’’میں تمہارے اور بھائی منشی نبی بخش صاحب اور جناب مرزا حاتم علی صاحب کے خطوط آنے کو تمہارا اور ان کا آنا سمجھتا ہوں۔تحریر گویا وہ مکالمہ ہے جو باہم ہوا کرتا ہے، پھر تم کہو مکالمہ کیوں موقوف ہے۔‘‘

غالب نے اپنے مختلف خطوط میں کبھی’’مراسلت‘‘کو’’مکالمت‘‘کہا ہے اور کبھی’’نامہ نگاری‘‘کو’’مکالمہ‘‘کہا ہے۔اور کبھی خط لکھنے کو’’باتیں کرنا‘‘کہتے ہیں۔

غالب کے خطوط کی انفرادیت وہاں بھی پوری طرح نمایاں ہوتی ہے جب وہ جس سے مخاطب ہیں اس کو’’غائب‘‘تصور کرتے ہوئے اس کے بارے میں لکھتے ہیں جیسے:

’’میر مہدی۔جیتے رہو......اردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے۔یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی جس کو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کا رہنے والا لوٹ لے گیا‘‘

غالب کے خطوط کی ایک اور خصوصیت ان کی شوخی تحریر ہے جس کی وجہ سے وہ’’کاغذی پیراہن‘‘کو’’پیکر تصویر‘‘بنادیتے ہیں۔گویا بے جان بات کو بھی جاندار بنادیتے ہیں۔حالی غالب کی شوخیِ تحریر کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’وہ چیز جس نے ان کے مکاتیب کو ناول اور ڈرامے سے زیادہ دلچسپ بنایا ہے وہ شوخیِ تحریر ہے......مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے ستار کے تار میں سر بھرے ہوتے ہیں،اور قوت متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی خلاق ہے اس کو مرزا کے دماغ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو قوت پرواز کو طائر کے ساتھ‘‘

(یادگار غالب ص 179-178)

MC LIBRARY

اپنے خطوط میں مرزا ہمیشہ شوخی اور ظرافت سے کام لیتے ہیں۔ مرزا نے اپنے دوست کو دسمبر 1858 کی آخری تاریخوں میں خط لکھا۔ خط کا جواب دوست نے جنوری 1859ء کی ابتدائی تاریخوں میں دے دیا جس پر مرزا لکھتے ہیں:

''دیکھو صاحب یہ باتیں ہم کو پسند نہیں، 1858ء کے خط کا جواب 1859ء میں بھیجتے ہو اور مزا یہ کہ جب تم سے کہا جائے گا تو یہ کہو گے کہ میں نے دوسرے دن ہی جواب لکھا ہے''۔

مرزا ویسے مکان میں تھے جس کی چھت ٹپکتی تھی۔ اس سے مرزا کو کتنی تکلیف ہوتی تھی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسی حالت میں بھی وہ حسِ مزاح کو قائم رکھتے تھے۔ اپنے گھر کے بارے میں لکھا ہے:

''دیوان خانے کا حال محل سرا سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا، فقدان راحت سے گھبرا گیا ہوں، چھت چھلنی ہو گئی ہے، ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے۔''

شوخی و بذلہ سنجی خطوط غالب کی بہت ہی منفرد خصوصیت ہے۔ اس طرح غالب جہاں موقع ملتا ہے لطیف مزاح سے کام لیتے ہیں اور ہر موقع پر زندگی اور زندہ دلی کا ثبوت دیتے ہیں۔

17.6.1 خطوط غالب: آب بیتی

غالب نے اپنے خطوط میں اپنی زندگی کی پوری کہانی بیان کی ہے۔ انھوں نے ان خطوط میں اپنی زندگی کے واقعات کو ترتیب وار بیان نہیں کیا لیکن زندگی کے تمام حالات کہ کہاں پیدا ہوئے؟ کب پیدا ہوئے؟ باپ دادا کون تھے؟ تعلیم کس کس سے حاصل کی، آگرے میں کتنے سال رہے، دہلی کب منتقل ہوئے، ننھیال والوں کی تفصیل، پنشن کتنا ملنا تھا کتنا ملا، پنشن جو ملنا تھا اس کے حاصل کرنے کی کوشش، اس سلسلے میں کلکتے کا سفر، لکھنؤ میں قیام، کلکتے میں ادبی معرکے، لکھنؤ سے رقم ملنے کی تفصیل، رام پور کب گئے، شادی کب ہوئی، کتنے بچے ہوئے، بعد میں بچوں کو جو گھر دیا اس کی تفصیل، ازدواجی زندگی، مے خواری، عشق بازی، قمار بازی، قمار بازی کی وجہ سے جیل، جیل میں کیا حالت ہوئی، شراب کون سی پیتے تھے کتنی پیتے تھے، غذا کیا تھی، کب کب، کس کس کی مدح کی، کہاں کہاں سے کتنا وظیفہ ملتا رہا، ملازمت پیش کی گئی اسے کیوں قبول نہیں کیا، بہادر شاہ ظفر کے استاد کب مقرر ہوئے، دربار سے کتنا وظیفہ ملتا تھا، تیموریہ خاندان کی تاریخ لکھنے کا کتنا وظیفہ دیا جاتا تھا، غدر کے حالات، غدر کی وجہ سے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کی تفصیل، غدر کے زمانے میں کون سے دوست کن کن مصیبتوں میں گرفتار ہوئے، کن کن کو کیا کیا سزا ملی، غدر کے بعد دلّی کی کیا حالت ہوئی اس میں کون سی تبدیلیاں آئیں۔ غدر کے زمانے میں گوشہ نشینی، اس دوران علمی، ادبی کاموں کی انجام دہی، ادبی معرکے، مطالعے کا انداز کیا تھا، کون سے کرائے کے مکانوں میں رہے، مکانوں کی کیا حالت تھی، پیرانہ سالی اور بیماریوں کی تفصیل بستر مرگ سے لگ جانے کے بعد کے مشاغل، حد یہ کہ انہوں نے اپنے مرنے کی تاریخ تک نکال لی تھی۔ مگر وہ اس کے دو سال بعد وفات پائے اور وہی تاریخ ذرا سی تبدیلی کے بعد برقرار رکھی گئی۔ غالب نے تاریخ نکالی تھی ''آہ غالب مُرد'' اسی تاریخ کو معمولی ترمیم کے ساتھ برقرار رکھا گیا' ''آہ غالب بمرد۔'' غالب کے خطوط میں ہمیں ان کی پوری ''آپ بیتی'' ملتی ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے غالب کے خطوط کو سنہ کی ترتیب کے ساتھ جمع کر کے ''غالب کی آپ بیتی'' لکھی ہے۔

17.6.2 خطوطِ غالب: عصری تاریخ

غالب نے اپنے خطوط میں اپنے عہد کی تاریخ قلم بند کی ہے خاص طور پر غدر سے پہلے اور غدر کے بعد دہلی کی حالت کی جو تفصیل انہوں نے لکھی ہے وہ ان کے خطوط کے سوا کہیں اور نہیں ملتی۔ غالب نے چونکہ غدر سے کچھ پہلے اُردو خطوط لکھنے شروع کیے تھے اسی لیے ان کے خطوط میں غدر کے بعد کے حالات بھی ملتے ہیں۔ غدر کے زمانے میں مسلمان گھروں کو چھوڑ کر نکل گئے تھے تاکہ دہلی کی تباہی کی زد میں نہ آجائیں۔ دلی کی اس زمانے کی کیفیت غالب کے ایک خط میں یوں ملتی ہے:

''واللہ ڈھونڈھنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر' کیا غریب' کیا اہل حرفہ' اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔''

عام طور پر دہلی کے تمام لوگ چلے گئے تھے لیکن غالب دلی ہی میں رہے۔ وہ کیوں کر دلّی میں رہ سکے اس کے بارے میں غالب بتاتے ہیں۔

''اب پوچھو کہ تو ں کیوں کر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا۔ صاحب بندہ میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا بلکہ دیوار بدیوار ہیں گھر حکیموں کے۔ اور وہ نوکر ہیں راجہ نرندر سنگھ بہادر والیِ پٹیالہ کے۔ راجہ نے صاحبان عالی شان سے عہد لے لیا تھا کہ بروقت غارت دہلی یہ لوگ بچ رہیں۔ چنانچہ بعد فتح راجہ کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا' ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں۔''

غالب نے جو افتاد سب پر پڑی تھی' اس خط میں بیان کی ہے۔ جو پابندیاں دہلی والوں پر عائد کی گئی تھیں' اس کی بھی تمام تفصیل اس خط میں ملتی ہے۔ اسی طرح تیسرے خط میں بھی لکھتے ہیں۔

''بھائی کیا پوچھتے ہو' کیا لکھوں۔ دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے۔ قلعہ' چاندنی چوک' ہر روز مجمع' بازار مسجد جامع کا' ہر ہفتہ، سیر جمنا کے پل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں پھر کہو دلی کہاں، ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔''

غالب نے اپنے سینکڑوں خطوط میں دلی کا حال اور احوال لکھا ہے۔ اپنے دور کے حالات و واقعات قلم بند کیے ہیں۔ یوں خطوط غالب عصری تاریخ کے حامل بن گئے ہیں۔

17.6.3 خطوط غالب میں ناول کے عناصر

''یادگار غالب'' حالی کا ایسا بے مثال کارنامہ ہے، جس میں غالب سے متعلق ہر بات اور ہر چیز مل جاتی ہے۔ حالی غیر معمولی تنقیدی بصیرت رکھتے تھے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے یہ بات کہی تھی کہ خطوط غالب میں ناول کے اجزا مل جاتے ہیں۔ غالب نے اپنے خطوط میں مکالمے (Dialogue) جو لکھے ہیں بالکل ناول جیسے ہیں۔ حالی ناول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مغربی طریقے پر جو قصے لکھے جاتے ہیں، ان میں اکثر اس قسم کے سوال جواب ہوتے ہیں جیسے کہ مرزا کی تحریروں میں..... مگر وہاں ہر سوال کے سرے پر سائل اور مجیب کا نام یا ان کے ناموں کی علامت لکھ دی جاتی ہے۔''

علامت یا نام کا لکھنا اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ معلوم ہو سکے گفتگو کرنے والے یا سوال و جواب کرنے والے کون ہیں۔ سوال کیا ہے اور جواب کیا ہے۔ اس تعلق سے حالی لکھتے ہیں:

''مرزا ایسے موقع پر سائل و مجیب کا نام نہیں لیتے، اور نہ ان کے نام کی علامت لکھتے ہیں۔ مگر سوال اور جواب کے ضمن میں ایک ایسا لفظ لے آتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سوال کیا ہے اور جواب کیا۔ شاید قصے یا نوول میں بات نہ چل سکے، مگر خطوط میں تو مرزا نے یہ راہ بالکل صاف کر دی ہے۔''

مرزا کے خطوط میں ناول کے عناصر ملتے ہیں۔ سب سے بڑی اور اہم بات یہ کہ انہوں نے اردو زبان میں ایسی وسعت اور لچک پیدا کر دی کہ وہ ہر قسم کے خیالات، حالات' واقعات اور کیفیات کو بیان کر سکے اور اس کے ساتھ ہی خارجی زندگی کی ہر حالت'' کیفیت کو بھی بیان کر سکے۔ غالب کے خطوط میں ناول کی طرح داخلی اور خارجی زندگی کے ہر پہلو کا بیان ملتا ہے۔

غالب کے خطوط میں ان کے مکتوب الیہ کرداروں کی صورت میں ابھرتے ہیں۔ ہم ناول کے کرداروں کی طرح ان کی صفات اور انداز فکر کے بارے میں جان لیتے ہیں۔ ناول میں کردار بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ناول کی ساری دنیا انہی سے وابستہ ہوتی ہے۔ اسی طرح غالب کے خطوط کی دنیا ان کے مکتوب الیہ سے وابستہ ہے۔

ناول میں کرداروں کے ساتھ مکالموں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ مکالموں ہی کے ذریعے کردار زیادہ واضح اور روشن ہو جاتے ہیں۔ ڈرامے کے بعد تمام اصناف میں ناول سب سے زیادہ مکالماتی ہوتا ہے۔ ناول میں زیادہ سے زیادہ انفرادی آوازوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ غالب کے خطوط میں بھی ناول جیسی آوازوں کی بہتات ملتی ہے۔ وہ جس طرح میر مہدی سے بات کرتے ہیں اس طرح مرزا تفتہ سے نہیں کرتے۔ ناظم علی مہر سے جو گفتگو کا انداز ہے وہ علاء الدین احمد خاں علائی کے ساتھ نہیں۔ نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم سے جس انداز میں مخاطب ہوتے ہیں نواب انور الدولہ شفق کے ساتھ وہ انداز تخاطب نہیں ہوتا۔ انہوں نے کئی جگہ اس بات پر اصرار کیا ہے کہ یہ مراسلہ نگاری یا نامہ نگاری نہیں ہے بلکہ مکالمہ نگاری ہے۔ ایک جگہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے مراسلے کو مکالمے بنادیا ہے تو دوسری جگہ اس بات پر زور دیا ہے کہ ''تحریر گویا مکالمہ ہے جو باہم ہوا کرتا ہے۔'' حقیقی گفتگو اور افسانوی مکالمے میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔ حقیقی گفتگو میں جو عمل اور ردعمل ہوتا ہے وہ موقع محل کے مطابق وجود میں آتا ہے۔ اسی صورت میں بات چیت با معنی بنتی ہے۔ افسانوی گفتگو میں حقیقی گفتگو کی طرح عمل اور ردعمل نہیں ہوتا۔ بلکہ مکالمے تخلیق کیے جاسکتے ہیں۔ حقیقی گفتگو میں بات کو جتنا چاہے طول نہیں دیا جاسکتا۔ بات کاٹی بھی جاسکتی ہے اور کاٹی بھی جاتی ہے۔ گفتگو کا موضوع بدلا بھی جاسکتا ہے۔ لیکن ناول میں مصنف اپنی مرضی کے مطابق گفتگو کو طویل یا مختصر کرسکتا ہے۔ یہاں بات سے بات نکلتی نہیں بلکہ بات سے بات پیدا کی جاسکتی ہے۔ بہرحال افسانوی مکالمے اور حقیقی مکالمے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ لیکن یہ بہت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز بات ہے کہ غالب کو بھی پوری طرح سے اس بات کا احساس اور علم تھا کہ ان کے مکالموں کی نوعیت حقیقی مکالموں سے الگ اور مختلف ہے۔ وہ منشی نبی بخش حقیر کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''جی چاہا تم سے باتیں کرنے کو، یہ باتیں کررہا ہوں، خط نہیں لکھتا۔ مگر افسوس اس گفتگو میں وہ لطف نہیں جو مکالمہ زبانی میں ہوتا ہے یعنی میں ہی بک رہا ہوں تم کچھ نہیں کہے۔ وہ بات کہاں کہ میری بات کا تم جواب دیتے جاؤ اور تمہاری بات کا میں جواب دیتا جاؤں۔''

افسانوی مکالمے اور حقیقی مکالمے میں جو فرق ہوتا ہے اس کو غالب نے بے حد واضح انداز میں نمایاں کردیا ہے۔

کردار اور مکالموں کے ساتھ ناول میں پس منظر یا زماں و مکاں کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ناول میں اور دوسری بیانیہ اصناف میں اہم اور امتیازی فرق پس منظر کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ ناول کا پس منظر یا زماں و مکاں حقیقی ہوتے ہیں۔ ناول نگار زماں و مکاں کو تخلیق نہیں کرتا بلکہ حقیقی پس منظر کو استعمال کرتا ہے۔ کس زمانے میں ناول کے واقعات پیش آرہے ہیں اور کس مقام پر ہو رہے ہیں اس کی تفصیل ناول میں ملتی ہے۔ غالب کے خطوط میں بھی حقیقی زماں و مکاں یا پس منظر اپنی تمام تر تبدیلیوں اور انقلابات کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ غالب کے خطوط کے سوا' زماں و مکاں یا پس منظر اس وضاحت کے ساتھ اُردو خطوط کی پوری تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتا۔ انہوں نے دہلی کے محلوں' باغوں' کوچوں' سڑکوں اور بازاروں ہی کی عکاسی نہیں کی بلکہ مکانوں اور مکینوں کی تفصیل بھی پیش کی ہے۔ 1857ء کے بعد دہلی میں جو کچھ ہوا' اس کی تاریخ اور جغرافیائی کیفیت اس طرح ہمارے سامنے آتی ہے کہ منظر و پس منظر سانس لیتے نظر آتے ہیں۔

غالب نے اپنے خطوط کے ذریعے اُردو ناول نگاری کی بنیاد فراہم کردی۔ انہوں نے اپنے خطوط میں غیر شعوری طور پر ناول کے اہم ترین عناصر استعمال کیے اور یوں ناول کا انداز بیان اُردو دنیا کو دیا۔ بعد میں انہیں بنیادوں پر اُردو ناول استوار ہوا۔

اپنی معلومات کی جانچ :

1. غالب کے خطوط کی دو بنیادی خوبیاں بیان کیجیے۔
2. غالب کے خطوط سے استفادہ کر کے کس نے آپ بیتی لکھی؟

17.7 خلاصہ

غالب کی نظم و نثر اُردو کی ادبی تاریخ کا مہتم بالشان واقعہ ہے۔ جدید اُردو نثر کے بانی غالب ہیں۔ غالب نے اُردو شاعری اور نثر کو ایک عہد آفریں موڑ دیا۔

غالب کا نام مرزا اسد اللہ خاں تھا۔ ان کا تخلص غالبؔ اور اسدؔ تھا۔ مرزا نوشہ عرف تھا۔ نجم الدولہ' دبیر الملک اور نظام جنگ شاہی خطاب تھے۔ 1212ھ م 1797ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ غالب کے آباواجداد ایبک ترک تھے۔ پانچ سال کی عمر میں والد عبداللہ بیگ خاں کا انتقال ہوگیا۔ 8 سال کی عمر تک نصر اللہ بیگ خاں نے پرورش کی۔ ان کا بھی انتقال ہوا تو ننھیال میں پرورش ہوئی۔ شیخ معظم سے ابتدائی تعلیم حاصل کی بعد میں مولانا عبدالصمد سے فارسی پڑھی۔ تیرہ سال کی عمر میں شادی کردی گئی۔ سولہ سترہ سال کی عمر سے مستقل طور پر دہلی میں رہنے لگے۔ چچا کی جاگیر سے سات سو روپے سالانہ ملا کرتے تھے۔ آمدنی کا یہی مستقل ذریعہ تھا۔ جاگیر کا حصہ جتنا ان کو ملنا چاہیے تھا وہ نہیں ملا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ کلکتہ بھی گئے دوران سفر لکھنؤ میں بھی قیام کیا۔ کلکتے میں کئی ادبی معرکے اور بحثیں ہوئیں' کیونکہ وہ سوائے خسرو کے کسی بھی ہندوستانی کی فارسی دانی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس سلسلے میں غدر کے بعد کے زمانے میں بڑے ادبی اور علمی معرکے ہوئے۔ انہوں نے اس زمانے کی بہت ہی مشہور اور مستند لغت ''برہان قاطع'' کا جب مطالعہ کیا تو انہیں بہت سی ایسی باتیں اس میں ملیں جو فارسی کے اہل زبان کے مطابق نہیں تھیں۔ انہوں نے ''برہان قاطع'' کی ایسی تمام اغلاط کو ''قاطع برہان'' کے نام سے کتابی صورت ہی شائع کردیا۔ جس پر بڑا علمی اور ادبی ہنگامہ برپا ہوا۔ ذوق کے بعد غالب استاد شاہ مقرر ہوئے اور انہیں پچاس روپے ماہوار وظیفہ ملنے لگا۔ انہیں تیموریہ خاندان کی تاریخ لکھنے پر مامور کیا گیا۔ انہوں نے اس تاریخ کا نام ''پرتوستان'' رکھا۔ پہلے حصے کو ''مہر نیم زور'' کا نام دیا اور دوسرے حصے کو ''ماہ نیم ماہ'' کا عنوان دیا۔ لیکن وہ پہلا ہی حصہ مکمل کرنے پائے تھے کے غدر ہوگیا اور یہ تاریخ پائے تکمیل کو نہیں پہنچ سکی۔ ان کی فارسی تصانیف میں اس تاریخ کے علاوہ ''دستنبو'' کے نام سے انہوں نے حالات غدر قلم بند کیے ہیں۔ ان کا فارسی کا دیوان بہت ضخیم ہے۔ کوئی دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

غالب نے 1850ء کے لگ بھگ اُردو میں خطوط نگاری شروع کی۔ خطوط نگاری ان کا بے حد مرغوب مشغلہ تھا۔ کسی دوست کے خط آنے کو وہ خود اس کا آنا تصور کرتے تھے۔ ان کی اُردو تصانیف میں ان کے خطوط کے دو مجموع مرتب ہوگئے تھے۔ ''عودِ ہندی'' اور اُردوئے معلیٰ۔ عود ہندی ان کی زندگی ہی میں چھپ گیا لیکن ''اُردوئے معلیٰ'' ان کے انتقال کے کچھ دن بعد شائع ہوا۔

غالب آخری زمانے میں بہت بیمار رہنے لگے تھے۔ لیکن بستر مرگ سے بھی خطوط کے جواب برابر دیتے رہے۔ ان کا انتقال 1869ء میں ہوا۔

غالب سے پہلے اُردو نثر ادبی علمی کاموں کے لیے استعمال نہیں ہوتی تھی۔ علمی اور ادبی کاموں کے لیے فارسی ہی استعمال ہوتی تھی۔ میرؔ نے بھی اپنی آپ بیتی' میں اُردو شعرا کا تذکرہ فارسی میں لکھا ہے۔ اسی طرح مصحفی' میر حسن اور قائم چاند پوری نے بھی اپنے اُردو شعرا کے تذکرے فارسی ہی میں لکھے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں وہ عام طور پر کہانی اور قصے بیان کرنے کے لیے لکھی جاتی تھیں یا پھر مذہبی معلومات کو عام کرنے اور مذہب کی تبلیغ کے لیے لکھی جاتی تھیں۔ مذہبی نوعیت کی کتابوں کی زبان سلیس اور سادہ ہوا کرتی تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک بات پہنچ سکے اور زیادہ سے زیادہ لوگ مذہبی تعلیمات یا مسائل کو سمجھ سکیں۔ قصے کہانی کے لیے جو نثر استعمال کی جاتی تھی وہ بہت ہی رنگین' مقفیٰ اور مسجع ہوا کرتی تھی۔ ایسی نثر میں اپنی قابلیت کا اظہار کیا جاتا تھا' اس لیے مشکل اور ادق الفاظ زیادہ سے زیادہ استعمال کیے جاتے تھے۔

غالب نے ایسی نثر لکھنے سے اجتناب کیا۔ نثر نگاری میں سارا زور اظہار مدعا پر صرف کیا جس کی وجہ سے ان کی نثر سادہ سلیس اور عام بول چال سے قریب ہوگئی۔ انہوں نے بجا طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''میں نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔'' غالب کے زمانے میں ان کے مقلدین نثر کا وہی انداز اختیار کرنے لگے جو خطوط میں ہر قسم کی حالت و کیفیت ظاہری اور باطنی بیان کی ہے۔ جس کی وجہ سے اُردو نثر اس قابل ہوئی کہ وہ ہر قسم کے موضوعات کو بیان کرسکے۔ یہ بات اُردو نثر کی تاریخ میں ایک اہم موڑ اور عہد آفریں بن گئی اور یوں غالب نے جدید اُردو نثر کی بنیاد رکھی جس پر آج اُردو نثر کی شاندار عمارت کھڑی ہوئی ہے۔

غالب کی نثر نگاری کی سب سے اہم خصوصیت یا انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے قدیم انداز کی عبارت آرائی کو ختم کردیا اور اپنے خطوط میں طول طویل القاب و آداب کے طریقے کو بھی ختم کردیا۔ وہ یا تو بہت مختصر طور پر القاب و آداب لکھتے ہیں یا پھر راست طور پر مدعا بیان کرنے لگتے ہیں۔ انہوں نے جیسا کہ خود کہا ہے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے اور یہ اندازِ تحریر خاص ان کی ''ایجاد'' ہے۔ غالب کے انداز بیان کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر بات کو شگفتہ اور دلچسپ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کی ''شوخی تحریر'' سے بے جان بات میں بھی جان پڑ جاتی ہے۔

غالب کے خطوط کی ایک اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک جو بے شمار باتیں پیش آئیں جو کام انہوں نے کیے ان سب کو بیان کر دیا ہے۔ زندگی کا کوئی بھی واقعہ ایسا نہیں ہے جس کو انہوں نے اپنے خطوط میں کہیں نہ کہیں بیان نہ کیا ہو۔ نثار احمد فاروقی نے غالب کے خطوط کو ترتیب دے کر ''غالب کی آپ بیتی'' لکھی۔ جس میں غالب کی پیدائش سے لے کر مرنے تک کے حالات آ گئے ہیں۔

خطوطِ غالب میں غدر سے کچھ پہلے اور غدر کے بعد کے حالات ملتے ہیں۔ اس طرح ان کے خطوط ان کے عصر کی تاریخ بن گئے ہیں۔

خطوطِ غالب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس ناول کے بہت ہی اہم اجزا ملتے ہیں۔ ان کے خطوط میں ان کے مکتوب الیہ کرداروں کی طرح سامنے آتے ہیں۔ ناول کی طرح ان میں مکالمے بھی ملتے ہیں۔ ناول کے حقیقی پس منظر یا زماں و مکاں کی طرح غالب کے خطوط میں بھی عمومی طور پر انیسویں صدی کا ہندوستان اور خاص طور پر دہلی اور 1857ء کے واقعات ملتے ہیں۔ اس طرح ناول کی ایک اہم شرط کہ وہ حقیقی زماں و مکاں کو پیش کرتا ہے' غالب کے خطوط بھی پورا کرتے ہیں۔

17.8 نمونہ امتحانی سوالات

ذیل کے سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں لکھیے۔

1. غالب سے پہلے اُردو نثر کی جو صورتِ حال تھی اس کا جائزہ لیجیے اور اُردو نثر کی تاریخ میں خطوط غالب کی اہمیت واضح کیجیے۔
2. غالب کے خطوط کی خصوصیات کا جائزہ لیجیے اور بتائیے کہ انہیں آپ بیتی کیوں کہا جا سکتا ہے؟

ذیل کے سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں لکھیے۔

1. غالب کی زندگی کے اہم واقعات بیان کیجیے۔
2. خطوطِ غالب میں جو عصری تاریخ ملتی ہے' اس کی نشان دہی کیجیے۔
3. خطوط غالب میں ناول کے جو اجزا ملتے ہیں ان کا جائزہ لیجیے۔

17.9 فرہنگ

برہانِ قاطع	قطعی دلیل	قاطعِ برہاں	دلیل کو کاٹنے والا
پرتو	سایہ' روشنی' کرن	مہرِ نیم روز	آدھے دن کا سورج
ماہِ نیم ماہ	آدھے مہینے کا چاند' چودھویں کا چاند	مُرد	مرا' مرا ہوا
دستنبو	ہاتھ میں لے کر سونگھنے کی چیز' گلدستہ	سبد چین	منتخب پھولوں کی ٹوکری' مراد پھولوں کی ٹوکری
روڑا	پتھر	مقفّٰی	جس میں قافیہ ہو
مسجّع	مقفّٰی نثر	زاغ	کوّا
بیضہ	انڈا	سیمرغ	خیالی بہت بڑا پرندہ
جناح	پر' بازو' پہلا	مطلّا	سنہرا' سونے کا کام کیا ہوا

بجا آرندہ	بجالانے والا، پورا کرنے والا	حاجات	حاجات کی جمع، ضرورتیں
بستہ کار	رکا ہوا کام، بند کام	بخشندۂ مرادات	مرداوں کو پورا کرنے والا
فرخندہ	مبارک	سپہر	ڈھال
اشعہ	شعاع کی جمع	شوارق	روشن چیزیں
شعشہ	کرن، روشنی سورج	بوارق	بجلیاں
لمعاں	روشنیاں		

17.10 سفارش کردہ کتابیں

1. یادگار غالب — خواجہ الطاف حسین حالی
2. داستان تاریخ اُردو — حامد حسن قادری
3. غالب کے خطوط (جلد اول) — مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم
4. غالب کی آپ بیتی — پروفیسر نثار احمد فاروقی
5. غالب اور انقلاب ستاون — ڈاکٹر معین الرحمٰن

.....